عصرِ حاضر کے مسائل اور فکرِ اقبال

(جاوید اقبال باومیو، پی ایچ۔ڈی

(اُردو ریسرچ سکالر جی سی۔یونی ورسٹی ،لاہور)

E-Mail: javediqbalkasuri@gmail.com

خلاصہ

اقبال نے اپنی فکری بصیرت اور افکارو خیالات سے عہد حاضر کے سیاسی ،سماجی ،علمی ،ادبی ،مذہبی اور سائنسی تصورات کو بڑی خوبصورتی سے اُجاگر کیا ہے۔انھوں نے عہد حاضر کے نوجوانوں اور مسلمانوں کو ان کی ناقابل بیان تباہی و بربادی ،زبوں حالی ،پستی اور زوال پذیر ذہنیت سے چھٹکارہ دلانے کے لیے اپنی شاعرانہ بصیرت سے اصلاح کا بیڑا اٹھایا۔عہد حاضر میں انسانی زندگی پر مشین اور جدید سائنس اور ٹیکنالوجی کے تسلط سے انسانی تہذیب و ثقافت اور افکارو خیالات میں ایک خلا پیدا ہوگیا ہے۔جس کے باعث آج کا انسان فساد قلب اور فساد نظر میں مبتلا ہے۔اقبال کے نزدیک قوم کو اوج کمال حاصل کرنے کے لیے اولین شرط"تطہیر فکر" ہے۔اقبال فکرو ذکر اور بصیرت کے امتزاج کو قرآنی تعلیم کا حصول قرار دیتے ہیں۔اقبال کے فرمودات کی روشنی میں وہی قومیں دوسروں پر تفوق و اقتدار حاصل کرسکتی ہیں جنھوں نے اپنے عمل صالح اور اپنے آپ کو نیابت الٰہی کا مستحق ثابت کردیاہو۔جس قوم میں جذب و تسخیر کی صلاحیت پیدا ہوجائے اس کے غلبہ اور تسلط کو کوئی طاقت نہیں روک سکتی۔عصر حاضر کے پیش نظر اقبا ل کے افکار و خیالات اور انقلابی سوچ کی ضرورت و اہمیت بڑھ گئی ہے۔اسی فکر کے ذریعے ہم عہد حاضر میں اپنی قوت و روح کا احیاکرسکتے ہیں۔]]

دور حاضر میں انسان ایجاد و اختراع ،فن و حکمت سائنس ، ہنراور جدید ٹیکنالوجی کے لحاظ سے اوج کمال کے انتہائی درجے پر گامزن ہے۔اس نکتہ رس اور باریک بینی عقل نے ناممکنات کو ممکن بنادیا۔اس کی قوت تسخیر محض زمین تک محدود نہیں بل کہ ستاروں اور سیاروں پر بھی کمندیں ڈال چکا ہے۔تحقیق کے میدان میں قابل قدر کارنامے سرانجام دیے چاچکے ہیں،ایجادات کے شعبہ میں دنیا نت نئے اقدامات اور منازل طے کررہی ہے۔وہ ایجادات جو انسانی عقل و قیاس سے ماورا تھیں اب وہ حقائق کا لبادہ زیب تن کرچکی ہیں۔عصر حاضر میں انسان نے اس قدر ترقی کے مدارج طے کرلیے ہیں کہ وہ اپنے مقام پر بیٹھے ہوئے سات سمند ر پار گفت گو کرسکتے ہیں۔علامہ اقبال فرماتے ہیں:

آنکھ جو کچھ دیکھتی ہے، لب پہ آسکتا نہیں

محو حیرت ہوں کہ دنیا کیا سے کیا ہو جائے گی [1]

عصر حاضر میں انسانی زندگی پر مشین اور جدید ٹیکنالوجی کے تسلط کی وجہ سے انسانی تہذیب و ثقافت ،افکارو خیالات میں ایک خلا پیدا ہوگیاہے۔جس کے باعث آج کا انسان فساد قلب اور فساد نظر میں مبتلا ہے اور اس کی روح میں عفت ،اس کے ضمیر میں پاکی ،اس کے خیال میں روحانی علووبلندی اور اس کے ذوق پاکیزگی میں مفقود ہے ۔مادی طور پر تو انسان مضبوط اور مستحکم ہوچکا ہے لیکن تہذیبی اور اخلاقی طور پر پستی اور زوال کا شکار ہوچکا ہے۔اقبال فرماتے ہیں:

عشق ناپید و خرد میگذدش مار

عقل کو تابع فرمانِ نظر کر نہ سکا

ڈھونڈنے والا ستارون کی گذر گاہوں کا

اپنے اَفکار کی دُنیا میں گزر کر نہ سکا

اپنی حِکمت کے خم و پیچ میں اُلجھا ایسا

آج تک فیصلہ نفع و ضرر کر نہ سکا

جس نے سورج کی شعاعوں کو گرفتار کیا

زندگی کی شبِ تاریک سحر کر نہ سکا ![2]

اقبا ل کے افکارو خیالات کا اگر گہرائی اور گیرائی سے مطالعہ کیا جائے تو یہ بات واضح ہوتی ہے کہ ان کی نظر میں عصر حاضر کا انسان

قلب اور نظر کے بے شمار مہلک امراضِ فاسد میں مبتلا ہوچکا ہے۔عصر حاضر کے زیر اثر جو نسل پیدا ہوئی ہے وہ عملی طور پر دین و ایمان سے محروم وعاری ہوچکی ہے۔مذہب سے بے زاری کے رد عمل میں عہد حاضر کے انسان کی کوئی غایت ہے اور نہ ہی تخلیق کائنات کی کوئی غرض و مقصد۔طائرِ دین کے پرواز کرجانے اور الحاد کے انداز پیدا ہوتے ہی کردار میں تغیر کا رونما ہونا ایک فطری عمل ہے۔سزا کا خوف اور جزا کی امید یہ سب محرکات عصر حاضر کے نوجوانوں کے نزدیک نا قابل التفات ہیں۔عصر حاضر میں جدید ٹیکنالوجی کی تعلیمات کے منفی ثمرات کے رد عمل میں تعلیمات و خیالات نے مذہب کی بیخ کنی کردی۔نوجونوں کے قلوب مسخ ہوگئے اور مادی عقل نے ان قلوب کو روحانی انقلاب سے بے گانہ و نا آشناکردیا۔یہی وجہ ہے کہ عشق و ایمان کے رخصت ہونے سے ایسی تاریکی چھاگئی جس سے روح اخلاقی اقدار سے محروم ہوکر لاغر ہونے لگی۔پروفیسر محمد عثمان اس حوالے سے لکھتے ہیں:

"انسانوں کی مساوات کے بعد اسلامی ثقافت جس بات پر زور دیتی ہے ،وہ جنسی پاکیزگی ہے۔وہ بے حیائی اور فحش کاری کو شیطانی عمل اور بدترین فعل سمجھتی ہے اور اسلامی معاشرے کو اس سے پاک رکھنا چاہتی ہے۔یہی وجہ ہے کہ مسلمانوں نے جن فنون لطیفہ کو جنم دیا پروان چڑھایا۔ان میں عریانی،فحاشی اور جنسی کشش کا کم سے کم عمل دخل تھا۔جنسی معاملات میں اسلام کا رویہ دراصل مغربی رویے کی عین ضد ہے۔اسلام ضبط نفس ،عصمت اور جنسی طہارت کو انسان کی اخلاقی و روحانی کے لیے لازمی قرار رہتا ہے۔"[3]

علوم جدید نے نئی نوجوان نسل کو جو تعلیم دی ہے اس سے وہ اپنی سیرت کے معمار بننے سے عاری ہیں۔اس کے رد عمل میں مسلمان کی نئی پود میں جبریت کا اثر عقیدہ تقدیر کی غلط فہمی کی وجہ سے زہر کی مانند سرایت کرگیا ہے اور ان کے عمل کی قوت کو مفلوج کردیا۔تقدیر کے عقیدے نے مسلمانوں کی نئی نسل کو عمل سے غافل کردیا ہے۔اب جمود و خمود نے اس کے قوائے عمل پر اپنا تسلط قائم کردیا ہے۔آج کے انسان نے اپنی ناکامی کی ذمہ دار تقدیر کو قرار دیا ہے۔تقدیر دراصل ایسا لفظ ہے جو وقت کے ممکنات کو حقایق میں بدل دیتا ہے۔محمد طاہر فاروقی لکھتے ہیں:

"مسئلہ تقدیر کے غلط افہام و تفہیم نے مسلمانوں کی تقدیر ہی بدل دی ہے۔ہمارے علما و صوفیہ اس کے کافی حد تک ذمہ دار ہیں ۔اس لیے نہیں کہ وہ اس کے مفہوم سے واقف نہ تھے۔وہ تقدیر کے صحیح معنی ضرور جانتے تھے۔مگر انھوں نے جس طرح اس مسئلہ کو عوام کے سامنے پیش کیا۔اس نے عامیوں کے دل و دماغ پر بد ترین اثر ڈالا۔"[4]

اسلام نے کائنات اور اور فطرت کے متعلق یہی تصور پیش کیا ہے کہ اس کی تسخیر انسانیت کا اولین حق ہے اور یہی اس کی تقدیر ہے۔غلامی میں غم اوررنج ،افلاس اور بھوک یہی تقدیر بن جاتے ہیں۔جب کہ اسلامی تصور حیات میں ان پر غلبہ پالینا تقدیر کہلاتا ہے ۔یہی وجہ ہے کہ جس قرآن کی تعلیم نے مسلمانوں کو مہ و پرویں کا امیر بنا چھوڑا تھا اسی قرآن سے ترک جہان کی تعلیم اخذ کی جارہی ہے ۔ڈاکٹر سعادت سعید اس حوالے سے لکھتے ہیں:

"اقبال کی شاعری کا منبع و ماخذ جہاں قرآن کا پیغام ہے وہاں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اقوال و اعمال بھی ان کی فکر کی روشنی بنے ہیں۔"کی محمد سے وفا تونے تو ہم تیرے ہیں۔یہ جہاں چیز ہے کیا لوح و قلم تیرے ہیں"اور "پس چہ باید کرد اے اقوام شرق"میں انھوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے شفا چاہنے کے حوالے سے بھی بلند پایہ اشعار لکھے ہیں۔او ر حضور کی انسان دوستی سے کسی غیر مسلم کو بھی انکار نہیں ہے۔لاریب وہ محسن انسانیت تھے اور ان پر حکمت سے بھری ہوئی کتاب نازل ہوئی اور اس کتاب نے دنیا میں ایک ایسا انقلاب پیدا کردیا کہ جس کی مثال نہیں۔قرآن کی بنیاد پر ایک ایسے معاشرے کے نقوش ابھرے کہ جس میں معاشی اور سیاسی استحصال کے تمام دروازے بند ہوگئے ۔جس میں کالے اور گورے میں کوئی تفاوت نہ رہی۔جس میں مساوی حقوق کی پاسداری لازمی ٹھہری۔جس میں بے جا کشور کشائی کو روکا گیا۔حیوانی ،شہوانی اور شیطانی کاموں کی ممانعت کی گئی۔اسلامی معاشرے میں حصول علم پر کوئی قدغن نہیں لگائی گئی۔اس میں فلسفی ،شاعر،حکیم ،ولی ،صوفی اور ہر نوع کے علوم وفنون کے ماہرین نے مخصوص حدود کے دوئروں میں رہ کر انسانی تمدن کی نشوونما میں بھر پور حصہ لیا۔"[5]

اقبال کا خیال ہے کہ قرآن نے واضح طور پر انسان کی انفرادیت کو مستحکم کردیا اور یہ بھی اس کو بتا دیا کہ ہم آہنگی ہی اس کی تقدیر ہے۔انسان کی یہی انفرادیت ہے جس سے وہ اپنا بوجھ کسی دوسرے پر نہیں ڈال سکتا۔اس کی تقدیر اس کا اپنا عمل ہے۔قرآن مجید میں نجات کے مسئلے کو اسی انداز میں بیان کیا گیا ہے۔اقبال اس حوالے سے لکھتے ہیں:

اسی قرآں میں ہے اب ترکِ جہان کی تعلیم

جس نے مومن کو بنایا مہ و پرویں کا امیر!

’تن بہ تقدیر‘ ہے ،آج اُن کے عمل کا اَنداز

تھی نہاں جن کے اِرادوں میں خدا کی تقدیر

تھا جو ’ناخواب‘ ،بتدریج وہی ’خواب‘ ،ہوا

کہ غلامی میں بدل جاتا ہے قوموں کا ضمیر![6]

اسلام میں غیر اسلامی تقسیم کے علاوہ سیاسی اور معاشرتی حالات نے قسمت پرستی کے فلسفے کو رواج دیا۔یہ بات اظہر من الشمس ہے کہ معاشرہ جب طبقاتی درجہ بندی اور بقائی اخلاق پیدا کرتا ہے تو تقدیر قسمت بن جاتی ہے۔اقبال کے نزدیک آج کا مسلمان خود اپنے خدا کو فریب اور دھوکہ دے رہا ہے۔وہ تقدیر کا بہانہ کرکے عمل سے بے پرواہ ہورہا ہے۔بہ قول اقبال:

خبر نہیں کیا ہے نام اس کا، خدا فریبی کہ خود فریبی

عمل سے فارغ ہوا مسلماں بنا کے تقدیر کا بہانہ

مِری اسیری پہ شاخِ گُل نے یہ کہہ کے صیّاد کو رُلایا

کہ ایسے پُر سوز نغمہ خواں کا گراں نہ تھا مجھ پہ آشیانہ[7]

اقبال نے عصر حاضر کے نوجوانوں کو یہ تعلیم دی ہے کہ مذہب کا یہ فرمان ہے کہ انسان کو ہوائے نفسانی کی مخالفت کرنی چاہیے اور خواہشات طبعی کو شرح کے تحت رکھنا چاہیے۔یہ صرف ناقابل عمل ہے بل کہ شخصیت انسانی کے لیے قطعا مضر ہے۔اس لے وہ مکمل طور پر اس عقیدہ کا پورا قائل نظر آتاہے کہ فراغت کے شب وروز کو اور اوقات کار کو لذت اندوزی میں‌صرف نہیں کرنا چاہیے۔وہ ان افعال و اعمال کو لذت بخش تصور کرتا ہے۔جو روح کی باطنی خواہشوں اور تمناوں کی تکمیل کرتے ہیں وہ جنسی خواہشات کے سوا کچھ نہیں۔مختصر یہ عصر حاضر کا نوجوان اقبال کے الفاظ میں ”بدن “میں غرق اور ”جاں “سے بے خبر ہے۔اقبال اپنی دوراندیشی سے مغرب کے عصر حاضر پر اثر انداز ہونے والے اثرات کو پہلے ہی بھانپ گئے تھے۔محمد حسین خاں اس حوالے سے لکھتے ہیں۔

”مسلمان نوجوانوں کی حالت پر نظر ڈالئے تو چند خصوصیات نظر آئیں گی۔مذہب سے قطعی ناواقف بل کہ بعض حالات میں نفرت ،تن آسانی ،فیشن پرستی ،اپنی حالت کو درست کرنے کی طرف لاپرواہی،مغرب کی ہر ادا سے عشق۔مشرق کی ہر چیز سے نفرت اس حالت میں حضرت علامہ اقبال متاثر ہوئے بغیر کیسے رہ سکتے تھے۔قوم کی توقعات تو نوجوانوں ہی سے ہوا کرتی ہے۔“[8]

عہد حاضر میں مسلم قوم کا شیرازہ بکھرنے کے قریب ہے اور مختلف سازشوں سے اس میں ٹوٹ پھوٹ ڈالی جاچکی ہے۔مکتب اپنے مقصود سے بے خبر ،علم حق مکتبوں ،مدرسوں اور یونی ورسٹیوں سے حاصل نہیں ہوسکتا۔یہاں وہ علم حاصل ہوتا ہے جو تخمین و ظن ہے ،سراپا حجاب ہے ،جو قلب و نظر کا فساد پیدا کرتاہے۔اقبال اس حوالے سے اپنی فکری بصیرت کی عکاسی کرتے ہیں:

ابھی تک آدمی صیدِ زبونِ شہر یاری ہے

قیامت ہے کہ انساں نوعِ انساں کا شکاری ہے

نظر کو خیرہ کرتی ہے چمک تہذیبِ حاضر کی

یہ صناعی مگر جھوٹے نگوں کی ریزہ کاری ہے

وہ حکمت ناز تھا جس پر خردمندانِ مغرب کو

ہوس کے پنجہ خونیں میں تیغ کار زاری ہے

تدبّر کی فسوں کاری سے محکم ہو نہیں سکتا

جہاں میں جس تمدن کی بنا سرمایہ داری ہے

عمل سے زندگی بنتی ہے جنت بھی جہنم بھی

یہ خاکی اپنی فطرت میں نہ نوری ہے نہ ناری ہے[9]

اقبال کو مسلمانوں کے شاندار ماضی سے محروم ہونے کا دلی دکھ اور احساس تھا۔اقبال مغرب کی اندھی تقلید کے سخت مخالف تھے۔عصر حاضر میں مغرب نے مسلمانوں کو سماجی،اخلاقی ،تعلیمی ،تہذیبی،لسانی اور ثقافتی لحاظ سے ذہنی غلامی کا شکار بنادیا ہے۔اقبال کے نزدیک روحانیت ہی بقائے انسانی کا واحد ذریعہ ہے۔تقلیدِ غیر سے اپنی اخلاقی اقدار کا بیڑا غرق ہوتا ہے اور اس کے ساتھ ایک ایسی تہذیب اور روایت کی ترویج عمل میں آتی ہے جو نہ صرف دین اسلام کے منافی ہے بل کہ فطرت سے بھی ہم آہنگ نہیں ہے۔یہی وجہ ہے کہ اقبال نہ صرف اہل مغرب کی اندھی تقلید کو کڑی تنقید کا نشانہ بناتے ہیں بل کہ وہ مشرقی علوم اور ترقی سے بھی مطمئن

نہیں۔ڈاکٹر مبارک علی مسلمانوں کی فرسودہ روایات کے حوالے سے لکھتے ہیں:

"مسلمان معاشرے میں خصوصیت سے علما کا طبقہ نئ سائنس اور نئ ایجادات کا زبردست مخالف تھا۔اس کی وجہ یہ تھی کہ ان کا نظام تعلیم پرانی اور فرسودا روایات پر قائم تھااور ہر زمانہ کی تبدیلیوں اور وقت کے تقاضوں کے ساتھ ساتھ اس میں کسی قسم کی ردوبدل نہیں کی گئ تھی۔۔۔۔۔دیو بند ،فرنگی محل،مظاہر العلوم اور ان جیسے مدرسوں نے جن طالب علموں کو پیدا کیا وہ جدید تعلیم ،جدید تعلیم ،جدید روایات اور وقت کی تبدیلیوں سے قطعی نا واقف تھے اور ذہنی طور پر وہ عہد وسطی کی پیداوار تھی۔نئ سیاسی و سماجی اور سائنسی و فنی ایجادات اور تبدیلیوں سے نا صرف ناواقف تھے بل کہ اس عمل کو سمجھنے سے قاصر تھے۔اس لیے نہ کوئی پیشہ اختیار کرسکتے تھے اور نہ ہی ملازمت۔ان کی جگہ صرف مدرسہ اور مسجد میں تھی اور اپنے معاشی مسائل کو حل کرنے کے ان کی کوشش تھی کہ مذہبی ادارے قائم ہوتے رہے۔"[10]

اس اندھی تقلید کے باعث عہد حاضر میں غیر مسلم اور مغربی طاقتیں مسلم تہذیب او ر ممالک کو تباہ و برباد کرنے کے درپے ہیں۔دہشت گردی کی آڑ میں مختلف حوالوں سے تباہی کا نشانہ بنایا جارہا ہے ۔آج کے جدید دور میں بھی مسلمان زبوں حالی کا شکار ہیں‌اور نہ اتحاد عالم اسلام کی طرف سے کوئی مثبت حکمت عملی منصہ شہود پر نظر نہیں آئی۔بہ قول اقبال:

عصر حاضر ملک الموت ہے تیرا، جس نے
قبض کی روح تری، دے کے تجھے فکرِ معاش
دل لرزتا ہے حریفانہ کشاکش سے ترا
زندگی موت ہے، کھو دیتی ہے جب ذوقِ خراش
اُس جنوں سے تجھے تعلیم نے بے گانہ کیا
جو یہ کہتا تھا خرد سے کہ بہانے نہ تراش
فیضِ فطرت نے تجھے دیدۂ شاہیں بخشا
جس نے رکھ دی ہے غلامی نے نگاہِ خفّاش
مدرسے نے تری آنکھوں سے چھپایا جن کو
خلوتِ کوہ و بیاباں میں وہ اَسرار ہیں فاش[11]

اہل مغرب نے چوں کہ مسلمانوں کے علمی اثاثے کے بل بوتے پر فلسفہ جدید علم و فنون اور سائنس کی شان دار عمارت تعمیر کرلی ہے۔تاریخ کی ورق گردانی کی جائے تو یہ بات واضح ہوتا ہے کہ مفکرین اسلام میں اقبال ہی واحد فرد ہیں جنھوں نے مسلمانوں میں روشن خیالی اور مغرب پسندی کے اسباب کی کھوج اور فکر کی طرف توجہ دی۔مسلمان معاشرہ عصر حاضر میں زوال اور جمود کا باعث اس لیے ہورہا ہے کہ انھوں نے اس حقیقت کو نہ صرف نظر انداز کردیا بل کہ پس پردہ ڈال دیا ہے کہ ان کے مذہب کا ایک لازمی رشتہ "طاقت" کے ساتھ ہے۔مذہب ،محکومی ،بے طاقتی اور نے بضاطی کی زندگی کو صحیح سمجھتا۔پروفیسر احمد سعید موجودہ ثقافت اور تہذیب کے حوالے سے لکھتے ہیں:۔

اقبال موجودہ مغربی کلچر کا عموماّ اور المانی تہذیب و حکمت کا خصوصا محقق ِاعظم ہے۔مغربی دین و اخلاق ،حکمت و فلسفہ ،فنون و ادب،تمدن و معاشرت ،معاشیات و سیاسیات کا اقبال سے بہتر و ناقد آج شاید ہی کوئی ہو۔اقبال کا علم بالواسطہ سماعی یا قیاسی نہیں ہے بل کہ عینی مشاہدات و تجربات کا نتیجہ اور ماضی حا ل و مستقبل پر حکیمانہ و عالمانہ نظر کا عطیہ ہے۔آج دنیا اس حقیقت سے پوری طرح آگاہ نہیں ہے مگر ایک روز مغرب کا اس پیر مشرق کے زمزم سے سیراب ہونا لازم و مقدر ہے۔"[12]

آج کے جدید دور کا یہ سیاسی نظام اس ابلیسی ذہن و دماغ کی پیداوار ہے جس نے دنیا کو حاکم و محکوم اور آزاد و غلاموں میں تقسیم کردیا تھا۔حاکم اپنی نفسیات سے غلامی کو بھلا وے دے کر اپنی گرفت مضبوط کرجاتے ہیں۔غلامی اپنا کمال دکھاتی اور اپنے طوق کو دائمی بناتی جاتی ہے۔مگر عہد جدید کا یہ تمدن اور یہ تہذیب جو میکانی تصورات سے بنی ہے اور جس نے فطرت اور معاشرتی قوتوں پر اس لیے قابو حاصل کرلیا ہے کہ ایک انسان دوسرے انسان کا غلام بنا رہے۔وہی حربے جو اس نے انسانیت کو مجروح کرنے کے لیے استعمال ہوتے ہیں وہ اس کی موت اور رسوائی کا سبب بن جاتے ہیں۔پروفیسر عالم خوند میری اس حوالے سے لکھتے ہیں:

"اقبال کا نئ انسانیت اورنئ جمہوریت کا نصب العین سر آنکھوں پر۔۔۔۔لیکن اہم سوال یہ ہے کہ اگر انسانی معاشرے میں تمام افراد کی خودی اور شخصیت کا ارتقا ایک ہی سطح پر نہ ہو۔۔۔جو

بہت قرین قیاس ہے۔۔۔۔۔۔تو پھر ان غیر مساوی خودی کے حامل افراد کے درمیان ربط کس نوعیت کا ہوگا۔کہیں طاقت ور شخصیت ،کمزور شخصیت پر غالب آنے کی کوشش تونہیں کرے گا؟فکرِ اقبال کٹھن منزل یہی ہے۔"[13]

عہد حاضر کے انسان کی گمراہی اس وجہ سے ہے کہ اس نے معاشی قوتوں کا استعمال اور انحصار صرف اپنی ذات تک محدود کردیا ہے۔انفرادی آزادی اور قومیت کا تخیل ہی عالم گیر تباہی کا ضامن ہے۔جس طرح انفرادی خود غرضی معاشرہ میں طبقاتی امتیازات پیدا کرتی ہے اس طرح قومی خود غرضی عالمی برادری اور مساوات کے تصور کو حقیقت نہیں بننے دیتی۔ڈاکٹر منظور احمد اس حوالے سے لکھتے ہیں:

"معاشرتی علوم ،اور سماجیات میں تبدیلی ،صنعتی انقلاب ،شہری مراکزکی تیز رفتار ترقی اور افسر شاہی کے اس پورے نظام سے جو معاشرہ کے نظم و نسق اور معاشیاتی اداروں کو چلانے کے لیے وجود میں آیا ،پیدا ہوئی۔جدید معاشرتی ڈھانچوں نے انسان کی زندگی کو بڑا متاثر کیا اور جدید انسان کو اس اجنبیت کا احساس دلایا جس کاوہ جدید معاشرہ میں شکار بن گیا تھا۔جدید انسان کی زندگی کا تضاد یہ تھا کہ ایک طرف وہ اپنی ذات کی نمو اور اپنے ارادہ اور عمل چاہتا تھا،لیکن دوسری طرف وہ ایک ایسے معاشرہ میں رہ رہا تھاجہاں ایک"معروضی ثقافت"اس کی مرضی سے آزاد موجود تھی۔یہ معروضی تہذیب یا ثقافت ،غیر ذاتی ،آزاد اور بڑے دبائو والی تھی اس تہذیب میں انسان کا اپنا آپ اپنی مرضی سے چھن چکا تھا،او ر روزمرہ کی زندگی کی آزادی بھی معاشی پیداواری اداروں نے اس سے چھین لی۔اب وہ اپنے سے اجنبی دنیا میں زندہ تھا اور یہ اجنبیت روز افزوں تھی۔"[14]

اسلامی معاشرہ میں اجتماعی مفاد کے آگے خاندان یا انفرادی مفاد کوئی اہمیت نہیں رکھتا او ر خاندان زندگی کا نصب العین بھی اجتماعی مفاد ہی ہے۔اسلام نے انفرادیت کو ختم نہیں کیا بل کہ اس کے رخ کو ذاتی اقتدار کی بہ جائے اجتماعی مفاد کی طرف منتقل کیا ہے۔ڈاکٹر خالد اقبال یاسر انسان اور معاشرتی نظام کے حوالے سے لکھتے ہیں :

"اقبال کے نزدیک جماعت فرد سے برتر ہے۔معاشرہ ایک فرد کو اپنی صلاحیتوں کے آزادانہ اور منصفانہ اظہار کے موقع مہیا کرتا ہے ۔اتحاد ،اتفاق،اور یگا نگت کے بغیر انسان کی کوئی وقعت نہیں۔"[15]

دور حاضر میں جدید ٹیکنالوجی ،سیاست اور صنعتی ترقیوں کو نہ صرف انسانی ترقی کی انتہا سمجھا جاتا ہے بل کہ سراہا جاتاہے۔انسانی زندگی کے طرز بودوباش،معاشی و سماجی ترقی کی منازل طے کرنے ، رسم و و رواج اور تہذیب کے لحاظ سے اوج کمال حاصل کرنے کے لیے سائنس اور جدید علوم نے جو کچھ سکھایا اس کا رد عمل اور حاصل یہی ہے کہ انسان انسان کے غلام بن گئے ہیں۔یہی وجہ ہے کہ قومی خود غرضیوں نے دنیا کے چند حصوں کو محتاج اور اور چند کو صاحب اقتدار بنا دیا ہے۔اقبال نے اپنی علمی بصیرت سے عہد جدیدمیں سیاسی جہات کے حقائق سے پردہ اٹھا دیا۔ڈاکٹر رضی الدین صدیقی لکھتے ہیں:

"تھوڑی بہت نئی تعلیم کرکے گم راہی اور مادہ پرستی میں مبتلا ہونے والے نوجوانوں کی اصلاح و تربیت کے لیے اقبال ضروری سمجھا کہ اس زہرِ قاتل کا ،جو ملت کے جسدِ اجتماعی میں سرایت کرتا جارہا ہے ،تریاق پیش کریں اور عقل محض کی خامیوں اور کمزوریوں کو اور اس کے ذریعے حاصل ہونے والے علم تجربے کے نقائص اور کوتاہیوں کو واضح کریں تاکہ یہ علم کہیں حجاب اکبر نہ بن جائے۔"[16]

عہد حاضر کی سیاست اپنے بچاو اور بقا کے لیے ایسی مہلک چال اور حکمت عملی کا سہار لیتی ہے جس پر کوئی اخلاقی پابندی نہیں۔اس کے نزدیک تہذیب و ثقافت ،اخلاقی قدروں ،معاشرتی و سماجی نظام حتی کہ انسان کی سسکتی اور بلکتی ہوئی حالت زار کی بھی پروا نہیں ہوتی۔ان کا کام صرف اپنے گردوپیش کی زندگی کو غیر محفوظ اور غیر مستحکم بنانا ہے۔جس طرح دولت کی زیادتی و فراوانی انسان کو ہوس پرست بنادیتی ہے اسی طرح سیاست بھی اندھی اور ہوس پرست ہوتی ہے۔عہد جدید کا یہ ایک گھبیر مسئلہ ہے کہ تمام سیاسی تحریکات اپنی سوچ کا محور صرف اس بات پر مرکوز رکھتی ہیں کہ کس طرح دنیا کے ایک گوشے سے دوسرے گوشے حکمرانی حاصل کی جائے۔بہ قول اقبال:

کلیسا کی بنیاد رُہبانیت تھی

سماتی کہاں اس فقیری میں میری

خصومت تھی سلطانی و راہبی میں

کہ وہ سر بلندی ہے یہ سربزیری

سیاست نے مذہب سے پیچھا چھڑایا

چلی کچھ نہ پیر کلیسا کی پیری

ہوئی دین و دولت میں جس دم جدائی

ہوس کی امیری، ہوس کی وزیری

دُوئی ملک ویں کے لیے نا مرادی

دُوئی چشمِ تہذیب کی نا بصیری[17]

زمانہ قدیم ریاستی اور سیاسی نظام مخصوص قبیلوں کا اقتدار ایک عرصہ کے سکوت ہونے کے بعد دوبارہ اپنی پوری قوت کے ساتھ منظر عام پر آچکا ہے۔اس طرح ایک بار پھر دنیا مارنے ،قانون کی دھجیاں اڑانے اور عیش کرنے کی دوڑیں مصروف عمل ہیں۔تاریخ کی ورق گردانی اور گیرائی و گہرائی سے مطالعہ کرنے سے یہ بات سامنے آتی ہے کہ عہد قدیم اس گمراہی میں مبتلا تھا کہ قبیلوں کے سردار اپنے اقتدار کو برقرار اور جاری رکھنے کے لیے اپنے آپ کو خدا کی نسل بتاتے تھے۔عہد حاضر کے سیاست دان ،حکم ران اور سردار کسی فوق فطری قوت کے بہ جائے مادی قوتون کی پرستش کرتے ہیں مگر قدیم کی طرح جدید عہد میں ان کو سب سے زیادہ خطرہ اپنا اقتدار چھن جانے کا ہے۔اس حوالے سے پروفیسر ڈاکٹر محمود علی لکھتے ہیں:

"حقیقت میں ہمارا گذشتہ نصف صدی کا تجربہ اس امر کو ظاہر کرتا ہے کہ اس طریقہ کار کے ذریعے جاگیرداروں صنعت کاروں اور سیاسی بازی گروں کی ایک بڑی تعداد کہ ان میں سے اکثر لوٹے بھی شامل ہیں اور مفاد پرست لوگ بار بار اقتدار پر قابض ہوتے ہیں اور ہر دفعہ ان پر عوامی نمائندگی کا لیبل بھی لگاہواتا ہے ،مگر حقیقت میں یہ لوگ صرف ایک مخصوص طبقے کی نمائندگی کرتے ہیں اور سفلی خواہشات اورمفادات کو ترقی دیتے ہیں۔ہر دفعہ جب انتخابات ہوتے ہیں تو یہی عمل دہرایا جاتا ہے۔اسی طرح کے لوگ اسی طرح کے وعدے آزادی اور خوش حالی کے خواب ،وہی منتخب نمائندے ،وہی کرپشن اور اخلاق باختگی کی داستان۔"[18]

انھوں نے مذہبی اور اخلاقی پابندیوں کو پس پردہ ڈال دیا ہے ۔جس سے انسانی زندگی اور ملک و قوم کا امن تباہ و بربادی کا نشانہ بن گیا۔اقبال قوم و ملک کی تعمیر و ترقی کے لیے ایسے افراد اقتدار میں دیکھنے خواہش مند ہیں جو قدمی معاشرہ کی برائیوں او رلعنتوں کو انسانی زندگی سے نکال کر مستقبل کی تعمیر کریں تاکہ آنے والی نسل والی نسلیں اس ترکے میں اضافہ کریں اور اسی مسلسل انسانی ارتقا اور تعمیر حیات کا سلسلہ اپنی قوت کے ساتھ جاری و ساری رہے۔فرمان فتح پوری لکھتے ہیں:

"اقبال کا نئی نسل سے یہ بھی شکوہ ہے کہ وہ تن آسان ،بے عمل اور بے قوت ہوئی جارہی ہے۔مغرب پرستی کا رجحان اتنا غالب آگیا ہے کہ اپنی چیزوں کی قدروقیمت اس کی نظروں سے گرتی جارہی ہے ،اور غیر کی ہر چیز محرم بنتی جارہی ہے۔"[19]

فکر اقبال کی روشنی میں جدید حاضر کا نظام تعلیم نہ صرف الحاد پیدا کرتی ہے بل کہ بغیر کسی مقصد کے چھوڑ دیتی ہے جس کی نہ کوئی منزل ہے نہ کوئی مقصود۔اس نظام تعلیم نے انسانی روح کی تڑپ اوردل کے سوز کو ختم کردیا ہے۔نوجوان نسل کی کردار سازی میں نمایاں او ر خاطر خواں تبدیلی اور ترقی کے لیے نظام تعلیم میں تبدیلی لازم ہے ،جس کا بنیادی نکتہ نوجوانوں کی زندگی کا محور و منبع اسلام ہے۔اسلام چوں کہ مکمل ضابط حیات ہے۔اقبال کا جو نظریہ حیات ہے وہی ان کا نظریہ تعلیم ہے۔ان کے نزدیک انسانی زندگی ارتقائی کیفیت اور مسلسل تغیر پیہم کی پابند ہونی چاہیے۔تعلیم بھی ہمہ وقت ارتقائی کیفیات میں رہتی ہے ۔تعلیم پر معاشرتی ،سیاسی ،سماجی،مذہبی زمانی و مکانی رویے اور عوامل اثر اندازہوتے ہیں اور اس میں ارتقا وقوع پذیر ہوتا رہتاہے۔اقبال جدید ٹیکنالوجی ،مشینی اور سائنسی علوم کی مخالفت کرتے ہیں تو صرف لیے کہ وہ مادے کو روحانیت پر غالب نہیں دیکھ سکتے۔ان کے نزدیک مادیت اور روحانیت کے باہمی اشتراک سے انسانی تعلیم اور تربیت دونوں نا ممکن ہیں۔ڈاکٹر ایم ڈی تاثیر لکھتے ہیں:

"خود وعتمادی کا فقدان،انحطاط قومی کاایک لازمی نتیجہ ہے۔یہی نہیں کہ زوال پذیر قوم غیروں کی دست نگر ہوجاتی ہے بل کہ اپنی رہی سہی رمق حیات پر بھی یقین نہیں رہتا اور اس کے راہ نمائوں کا یہ دستور العمل ہوجاتا ہے کہ وہ ہمیشہ اس کی بے دست و پائی کا رونا روتے ہیں اور ان ساون کے اندھوں کو ہر جگہ انحطاط کے نشانات ہی نظر آتے ہیں۔اس بے اعتمادی کی ایک بد یہی مثال معارف کی تنقید ہے جس میں ہندوستان کی ضرب المثل مغرب پرستی پر آنسو بہائے گئے ہیں اور اس کی مثال یہ دی گئی ہے کہ اسرار خودی کی شہرت پہلے مغرب میں ہوئی اور پھر ہماری توجہ راغب ہوئی ہے۔ہندوستان

مغرب پرست سہی،ہر بات میں اغیار کا دست نگر سہی ،یہ سب کچھ سہی مگر اقبال کی شہرت ایسے ہر ایک کلیہ سے مستثنی ہے۔"[20]

اقبال کے مقاصد تعلیم اور عہد حاضر کے مسائل پر طائرانہ نظر ڈالی جائے تو واضح ہوتاہے کہ اقبال کی خودی جو ان کی فکرواستدلال کا بنیادی نکتہ ہے ،اسی کے گرد اقبال کے تمام نظریات گھومتے ہیں۔خودی اقبال کے نزدیک نام ہے احساس غیرت مندی کا ،جذبہ خودداری کا ،اپنی ذات و صفات کے پاس و احساس کا ،اپنی انا کو جراحت و شکست سے محفوظ رکھنے کا ،حرکت و توانائی کی زندگی کی ضامن سمجھنے کا ،مظاہرات فطرت سے بر سر پیکار رہنے کا اور دوسروں کا سہارا تلاش کرنے کے بہ جائے اپنا جہاں آپ پیدا کرنے کا۔اقبال کے افکارو نظریات میں زندگی اصل حقیقت جس کی نمود خودی ہے۔ اس دنیا کے اندر ہر مرد حق نے پہلے اپنے نفس سے آگاہی حاصل کی اور اس کے بعد منصب انسانیت و خلافت پر فایض ہوا۔

خودی ہے وہ بحر جس کا کوئی کنارہ نہیں

تو آبِ جو اسے سمجھا اگر تو چارہ نہیں

خودی میں ڈوبتے ہیں، پھر ابھر بھی آتے ہیں

مگر یہ حوصلہ مرد ہیچ کارہ نہیں[21]

اقبال نظریات و افکار کے تناظر میں ازل سے اب تک خودی کی کارفرمائی ہے اور انھوں نے خودی کا ذکر اپنے کلام میں میں جگہ جگہ نت نئے انداز سے کیا ہے۔کہیں یہ ظاہر کیا ہے کہ لا الہ الا اللہ کا اصل راز"خودی " ہے۔توحید ،خودی کی تلوار کو آب دار بناتی ہے۔

خودی کا سِر نہاں، لا الہٰ الا اللہ

خودی ہے تیغ فساں، لا الہٰ الا اللہ

یہ دور اپنے براہیم کی تلاش میں ہے

صنم کدہ ہے جہاں، لا الہٰ الا اللہ

کیا ہے تو نے متاعِ غرور کا سودا

فریبِ سود و زیاں، لا الہٰ الا اللہ [22]

اقبال کے نظریہ تعلیم پر بھی خودی و بے خودی کے اثرات واضح طور پر دکھائی دیتے ہیں۔ان کے نزدیک تعلیم کے حصول کا اہم ترین مقصد تربیت خودی ہے اس کے بعد خودی اور بے خودی تحفظ اور ان کے تسلسل کو قائم و دائم رکھتا ہے۔ڈاکٹر یوسف حسین خان خودی کے حوالے سے لکھتے ہیں:

۔"خودی جب کائنات کے مقابل ہوتی ہے تو اسے محسوس ہوتا ہے کہ حقیقت بڑی پے چیدہ اور حوصلہ شکن ہے۔اس کی سیرت تغیّر ہے۔یہ ایک دائمی سلسلہ افعال اور ایک ہمیشہ ہوتے رہنے کی کیفیت ہے۔جب کوئی چیز انجام پا چکتی ہے جسے ہم مکمل ہونا کہتے ہیں تو تغیّر اس پر اپنے نئے غلاف چڑھا کر پھر اس کی صورت بدل دیتا ہے۔چناچہ ہستی یا وجود دائمی طور پر وقوع ہوتے رہنے کی حالت کے سوا کچھ نہیں۔دنیا ہر آن بدل رہی ہے۔ایک لمحے کے لیے بھی اس کو سکون نہیں۔تغیّر ،نمود اور حرکت عالم کے خمیر میں ملے ہوئے ہیں۔"[23]

دور حاضر میں‌اقبال کی تعلیمات پر عمل پر ہوکر ہی نوجوان کامیابی سے سرخرو ہوسکتا ہے۔اقبال کے نزدیک آج کے نوجوان کو چاہیے کہ کہ اللہ پاک ہی کو اپنا معبود و رب جان لے۔دست و نیاز اسی کے سامنے پھیلائے ،ساری کائنات میں حق کے سوا کسی کو نافع سمجھے اورنہ نقصان پہنچانے والا ،اپنی بندگی اور عبوبیت کا رشتہ حق سے جوڑ کر سارے عالم سے غنی ہوجائے اور بے نیاز۔عبدارحیم خاں لکھتے ہیں:

"اقبال نے ماضی کے جھروکوں سے حال کے آئینے میں مستقبل کی تصویر دیکھی ہے اور اس لیے انھیں متکلم ماضی ،مبصر حال اور پیغمبر مستقبل کہنا چاہیے۔میں سمجھتا ہوں کہ یہ بات صد فی صد درست ہے ،اقبال نے ماضی کے جھروکوں کو اس لیے نہیں کھولا کہ وہ ماضی پرست انسان تھے،بل کہ وہ حال اور مستقبل کو تاب ناک ماضی سے استفادے کی دعوت دینا چاہتے تھے۔اقبال کا پیام حرکت و عمل ہے اور ان کا خواب تمام انسانیت کے لیے اعلی آفاقی اقدار کی تعمیر و تشکیل۔ضرورت اس بات کی ہے کہ اقبال کے خواب کی تعبیر کے لیے ہم حرکت و عمل کے ذریعے ذہن سازی کا اہم فریضہ انجام دیں۔"[24]

اقبال کی شاعری کے فکری تسلسل میں ایک ایسا آفاقی پیغام پوشیدہ ہے جو انسان کے باطنی تجربات کی مختلف جہات کا احاطہ کرتا ہے۔اقبال کے افکار و خیالات سے مسلم دنیا میں بیداری کا احساس

ہورہا ہے۔وہ اہل دانش اور ذوقِ نظر رکھنے والے انسان کو اپنی علمی و فکری وسعت سے آشنا کرتے ہیں۔اقبال ایسے ناکام منصوبوں اور فلسفوں پر افسوس کا اظہار کرتے ہیں جو اپنی منزل مقصد سے آشنا نہیں ،انھوں نے عصر حاضر کے مسائل کی اپنی خداد داد صلاحیتوں اور علمی بصیرت کی مدد سے نہ صرف نشان دہی کہ ہے بل کہ ان کے حل کی تلاش کے لیے بھی اپنے فکارو خیالات سے انقلابی اقدامات اٹھائے۔اقبال اس بات سے بہ خوبی واقف تھے کہ انسان ہی وہ مخلوق ہے جو زندگی کے چھپے رازوں سے پردہ واکر سکتا ہے کیوں کہ اس کے ساز کو فطرت نے مضراب سے آشنا کیا ہے۔

جہانِ تازہ کی افکارِ تازہ سے ہے نمود

کہ سنگ و خشت سے ہوتے نہیں جہاں پیدا

خودی میں ڈوبنے والوں کے عزم و ہمت نے

اس آبجو سے کیے بحر بے کراں پیدا

وہی زمانے کی گردش پہ غالب آتا ہے

جو ہر نفس سے کرے عمرِ جاودوں پیدا[25]

اقبال کی شخصیت و فکر بتدریج ارتقا کے عمل سے گزرتی رہی ان کی فکرو بصیرت ان کے عمل کو بدلتی رہی یہی وجہ ہے کہ ان کی فکر اور شاعری نہ صرف مسلم دنیا بل کہ پوری دنیا کی زندگیوں میں انقلات لانے کا باعث بنی۔

کتابیات

[1]اقبال،علامہ محمد۔کلیات اقبال :اردو۔لاہور:مکتبہ میلہ ،2017۔

[2]ایضا

[3]محمد عثمان ،پروفیسر۔فکرِ اسلامی کی تشکیل نو۔لاہور:سنگ میل پبلی کیشنز ،2001۔

[4]طاہر فاروقی ،محمد۔سیرت اقبال،لاہور:مشتاق بک کارنر،س۔ن

[5]سعادت سعید۔مضمون ،اقبال کی نظمیہ شاعری مشمولہ ماہنامہ ادب دوست۔لاہور:جلد اول،شمارہ 5 ،1997۔

[6]اقبال،علامہ محمد۔کلیات اقبال :اردو۔لاہور:مکتبہ میلہ ،2017۔

[7]ایضا

[8]حسین خاں ،محمد۔اقبال۔دہلی:خورشید اینڈ برادرز،1939۔

[9]اقبال،علامہ محمد۔کلیات اقبال :اردو۔لاہور:مکتبہ میلہ ،2017۔

[10]مبارک علی ،ڈاکٹر۔المیہ تاریخ،لاہور:پروگریسو پبلشرز،1993۔

[11]اقبال،علامہ محمد۔کلیات اقبال :اردو۔لاہور:مکتبہ میلہ ،2017۔

[12]اقبال،علامہ محمد۔اقبالیات نوائے وقت میں ۔لاہور:شیخ غلام علی اینڈ سنز ،2015۔

[13]عالم خوند میری،پروفیسر۔اقبال :انسانی تقدیر اور وقت۔لاہور:ادارہ علوم ثقافت اسلامیہ،2010۔

[14]منظور احمد،ڈاکٹر۔اقبال شناسی۔لاہور:ادارہ ثقافت اسلامیہ ،2013۔

[15]خالد اقبال یاسیر،ڈاکٹر۔جدید تحریکات اور اقبال۔لاہور:ادارہ ثقافت اسلامیہ ،2015۔

[16]رضی الدین صدیقی،ڈاکٹر۔اقبال کا تصورِ زمان و مکان اور دوسرے مضامین۔لاہور:ادارہ ثقافت اسلامیہ ،2014۔

[17]اقبال،سر محمد۔کلیات اقبال :اردو۔لاہور:مکتبہ میلہ ،2017۔

[18]محمود علی ملک،پروفیسر۔مغربی جمہوریت اور اسلام ۔لاہور:بزم اقبال ،2000۔

[19]فرمان فتح پوری۔اقبال سب کے لیے۔لاہور:الوقار پبلی کیشنز ،2014۔

[20]تاثیر ،ایم ۔ڈی۔اقبال کا فکرو فن۔لاہور:بزم اقبال ،1994۔

[21]اقبال،سر محمد۔کلیات اقبال :اردو۔لاہور:مکتبہ میلہ ،2017۔

[22]ایضا

[23]یوسف حسین خان،ڈاکٹر۔روح اقبال۔لاہور:مکتبہ تعمیر انسانیت ،2016۔

[24]عبدالرحیم خاں۔جہانِ اقبال۔نئی دہلی:انجمن ترقی (ہند)،2011۔

[25]اقبال،سر محمد۔کلیات اقبال :اردو۔لاہور:مکتبہ میلہ ،2017۔